جدید علوم کی اسلامی تشکیل

اسماعیل راجی الفاروقی کی خدمات

ڈاکٹر شائستہ پروین ○

اسماعیل راجی الفاروقی [یکم جنوری ۱۹۲۱ء، جافا، فلسطین ۔ شہادت: ۲۷ مئی ۱۹۸۶ء، ونکوٹ، امریکا] عالم اسلام کی ان عظیم ہستیوں میں سے ہیں، جنھوں نے غلبۂ اسلام کے لیے منتشر شیرازے کو منظم کرنے کی کوشش کی، حالات کا تجزیہ کیا اور امت مسلمہ کو ان کی اصل پر لانے کے لیے خاکہ سازی کی کہ تاریخ کا اصول ہے: ''خدا اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے''۔

قرآن کے اس اعلان کی روشنی میں الفاروقی نے محسوس کیا کہ اُمت مسلمہ موجودہ دور میں بے بسی اور بے چارگی کے دور سے گزر رہی ہے اور مصائب نے لوگوں کے حوصلے پست کردیے ہیں۔ دیگر نظام کی بالا دستی نے بے اعتمادی کی فضا پیدا کر دی ہے، اجنبی تہذیبوں کی دوڑ ہر میدان میں دکھائی دے رہی ہے، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی مقبولیت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے، مختلف پروگراموں اور معاشی و سیاسی سرگرمیوں میں اس کا اثر دیکھنے کو مل رہا ہے۔ اگر ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ہماری نگاہ تعلیمی نظام پر جا کر ٹھیر جاتی ہے جو دو متضاد رویوں کا شکار ہے۔ جس کے نتیجے میں دیگر تہذیبوں کے اثرات نے مسلم معاشرے کا رخ اپنی جانب بہت تیزی سے موڑا اور پوری طرح اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش کی اور مسلم معاشرہ اسلام سے دُور ہوتا چلا گیا۔ اسلامی فکر و عمل پر غیر اسلامی افکار و خیالات کا غلبہ نظر آنے لگا اور یوں اُمت مسلمہ اندرونی کرب و بے چینی کا شکار ہو گئی۔

○ شعبۂ دینیات، ویمنز کالج، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس تہذیبی تباہی کو لانے اور حالات کا رُخ مغربی اقوام کی طرف موڑنے میں جو چیز سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوئی، وہ تعلیمی نظام تھا، جو دو حصوں پر منقسم تھا: ایک حصّہ اسلامی علوم پر مشتمل تھا اور دوسرا جدید علوم پر مشتمل۔ ابتدائی مدارس کے ماحول کی وجہ سے دل تو اسلام کی جانب مائل رہتا، مگر دماغ اور شعور بہ تدریج اعلیٰ جدید تعلیم کے ذریعے متاثر ہو جاتا، جس کا مقصد مغربی افکار ونظریات کو پروان چڑھانا اور محض مادی خواہشات کی تکمیل تھا۔

راجی الفاروقی نے تعلیم کی اسی تقسیم کو مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب قرار دیا کیوں کہ علوم کا دو خانوں میں بٹوارہ کسی بھی صورت میں امت کی تشکیلِ نو کے لیے کارگر ثابت نہیں ہوسکتا اور اس نظام کے تحت امت اپنے فرض کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہوسکتی۔

مسلم امت کے زوال کے اسباب کو جاننے اور سمجھنے کی سعی دیگر مسلم مفکرین سرسید احمد خاں اور محمد عبدہٗ وغیرہ نے بھی کی اور انھوں نے یہ حل نکالا کہ: ''تعلیمی نظام میں تجدید کی آمیزش سے نظامِ تعلیم کی اصلاح ہوسکتی ہے اور مسلم قوم ترقی کی منازل طے کرسکتی ہے''۔ راجی الفاروقی نے مذکورہ حضرات کی تجدیدی فکر اور ان کی کاوشوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''ماضی میں کچھ مسلمان دانش وروں نے اسلامی نظام تعلیم کی اصلاح کی یہ صورت نکالی کہ اس کے نصاب میں اجنبی افکار سے مستعار لی ہوئی چیزوں کی پیوندکاری کردی جائے۔ سرسید احمد خاں اور محمد عبدہٗ اسی طرزِ فکر کی حامل شخصیتیں ہیں۔ اسی انداز فکر پر عمل کرتے ہوئے جمال عبدالناصر نے مضبوط اسلامی قلعہ جامعۃ الازہر کو ۱۹۶۱ء میں ایک جدید یونی ورسٹی میں تبدیل کردیا۔ اس تجدیدی فکر کی پوری عمارت اس مفروضے پر قائم کی گئی تھی کہ نام نہاد جدید علوم بے ضرر ہیں۔ اس نکتے پر کم ہی توجہ دی گئی کہ اجنبی ادبیات، معاشرتی علوم اور سائنسی علوم وغیرہ زندگی، کائنات اور تاریخ کے ایک منضبط نظریے کے مختلف پہلو ہیں، جو اسلام کے لیے قطعاً بیگانہ ہیں۔ یہ لوگ اس لطیف مگر لازمی تعلق کو شاید ہی سمجھ سکے ہوں جو ان علوم کے طریقہ ہائے تنظیم اور نظریہ ہائے صداقت اور علم کو اجنبی دنیا کے نظامِ اقدار کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اسی سبب سے ان کے اقدامات کچھ مثبت نتائج پیدا نہ کرسکے''۔

آگے چل کر راجی الفاروقی نے اس نظامِ تعلیم کے نقصانات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ایک جانب اسلامی علوم کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور دوسری جانب جدید علوم کا اضافہ بھی وہ عظمت نہ بخش سکا جو اس نے اپنے موجدوں کو اپنے اصل وطن میں بخشی تھی، بلکہ توقع کے بالکل برخلاف اس طرز فکر و عمل نے مسلمانوں کو اجنبی تحقیق اور قیادت کا محتاج ضرور بنا دیا۔ معروضی طرزِ فکر کے بلند بانگ دعووں کے بل بوتے پر جدید فکر نے مسلمانوں سے ان اسلامی عقائد کے منافی افکار کو تسلیم کرا کے چھوڑا جو ترقی کے علَم برداروں کے نزدیک رجعت پسندی اور قدامت پرستی کا دوسرا نام تھا''۔

راجی الفاروقی نے تعلیمی اصلاح کے لیے جو تصور پیش کیا، اس کا دائرۂ کار انتہائی وسیع ہے۔ آپ کے خیال میں علوم اسلامی میں علوم جدیدہ کی آمیزش سے بہتر ہے کہ علوم جدیدہ کی اسلامی تشکیلِ نو کی جائے۔ آپ کا خیال ہے کہ:

ادبی، معاشرتی اور طبعی علوم کی تفہیم و تشکیلِ نو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اب علوم کو لازمی طور پر اسلامی بنیاد فراہم کی جانی چاہیے اور اسلامی طرزِ فکر سے ہم آہنگ مقاصد کا ان کو پابند کیا جانا چاہیے۔ ہر شعبۂ علم یا مضمون کی تدوینِ نو کی جانی چاہیے، تاکہ اس کی منہاجیات، حکمتِ عملی، بنیادی مفروضات، مقاصد اور مسائل کو حل کرنے کے طریقوں میں اسلامی اصولوں کو سمویا جاسکے۔ ہر مضمون کی نئی صورت گری اس طور ہونی چاہیے کہ اس کا تعلق اسلام کے نظامِ اقدار سے استوار ہو جائے۔

اپنے نظریات کو عملی شکل دینے کے لیے آپ نے چند نکات اور تجاویز پیش کی ہیں:

۱- وحدتِ علم: جس کے تحت تمام علوم آتے ہیں جس میں علومِ عقلی اور نقلی کی تقسیم نہیں ہوتی۔

۲- وحدتِ حیات: سارے علوم کو یکساں اہمیت ملنی چاہیے۔

۳- وحدتِ تاریخ: جس کے تحت تمام علوم اس بات کو تسلیم کرلیں کہ تمام انسانی حرکات کے پیچھے معاشرتی مزاج کارفرما ہوتا ہے اور اس طرح معاشرے کی تاریخی خدمت پر مامور ہو جائیں۔ اس طرح تمام علوم انسانی اور معاشرتی شکل اختیار کرلیں گے۔

دوسرا اہم نکتہ فکر و عمل کی سنجیدگی ہے، جس سے مسلمان عام طور پر پہلو تہی کرتے ہیں۔ مسلم قائدین کو تفکر، منصوبہ بندی اور حفظ ماتقدم کی طرف توجہ اور دلچسپی کی ضرورت ہے۔

اگر ہم مسلمانوں کے علمی ارتقا کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زوال کے اس عہد سے پہلے

علوم میں ترقی اور وسعت کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ انھوں نے تمام علوم کو اسلامی نظریے اور اقدار سے مربوط کر کے اسلامی مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا، لیکن افسوس ہماری غفلت کے سبب غیر مسلموں نے مسلمانوں کے علمی ورثے میں اپنے نظریات شامل کر کے اپنے مفاد اور مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ پوری طرح قابض ہو گئے۔ موجودہ وقت میں عالم اسلام کے تمام تعلیمی اداروں میں یہی غیر اسلامی کتب و نظریات مسلم طلبہ و طالبات کو پڑھائے جا رہے ہیں۔ اس وقت عالم اسلام میں تعلیم کی حالت بہت تشویش ناک ہے، اس لیے مسلم مفکرین اور دانش ور حضرات کو نوجوان نسل کی اسلامی ذہن سازی کے لیے سخت جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ علمی زوال کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں روشنی کی ایک کرن راجی الفاروقی کی شکل میں نمودار ہوئی، جنھوں نے حالات کا رخ بدلنے اور اسلامی آفاقی نظریہ قائم کرنے کے لیے چند مقاصد بیان کیے ہیں:

۱- جدید علوم پر کامل دسترس حاصل کرنا۔

۲- اسلامی ورثۂ علم پر کامل دسترس حاصل کرنا۔

۳- جدید علوم کے ہر شعبے سے اسلام کا خصوصی تعلق قائم کرنا۔

۴- جدید علوم اور اسلامی ورثے کے تخلیقی امتزاج کی راہیں تلاش کرنا۔

۵- اسلامی فکر کو ایسے خطوط پر استوار کرنا کہ قدرتِ حق کے خزانوں سے فیض ممکن ہو سکے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے آپ نے درجِ ذیل اقدامات کی جانب رہنمائی کی ہے:

علوم کی اسلامی تشکیلِ نو: ضروری اقدامات

۱- جدید علوم پر کامل دسترس: اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ مغربی علوم کو مختلف اقسام، اصولوں، منہاجات، مسائل اور موضوعات میں بانٹ دیا جائے اور وضاحتی اور تجزیاتی جملوں کے ذریعے اعلیٰ ترین شکل میں واضح کیا جائے۔

۲- مضامین کا جائزہ: ہر مضمون کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ اس کے تسلسل اور تاریخی ارتقا پر اس کی منہاجات کی نشوونما پر، اس کی وسعتوں اور اس پر لکھنے والے تمام علما اور ان کی تحریروں پر مضامین لکھے جانے چاہییں، تاکہ ان تمام عناصر کے خدوخال کو نمایاں کیا جا سکے۔ ہر شعبۂ علم سے

متعلق اہم ترین تصنیفات وتالیفات پر مبنی وضاحتی فہرست کتب کی تیاری اس جائزے میں شامل ہونا چاہیے۔ اس طریقے سے مسلم دانش ور متعلقہ علم کو ٹھیک اسی انداز میں سمجھ سکے گا، جس انداز میں وہ مغرب میں وجود میں آیا اور پروان چڑھا۔

۳- اسلامی ورثۂ علم پر کامل دسترس: اسلاف کے ورثے سے واقفیت اسلامی علوم کی تشکیلِ نو کی راہ میں نقطۂ آغاز ہے۔ اسلامی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ علومِ جدیدہ کے تمام شعبوں کے عنوانات، مسائل اور مضامین سے واقفیت لازمی ہے۔ اس طرح تحقیقات کے لیے ایک مطلوبہ معیار مہیا ہوجائے گا اور جدید علم کے مضمون سے متعلق اہم اجزا پر مشتمل، مفصل دستاویزات تیار ہوجائیں گی، جن کی مدد سے جدید مسلم دانش وروں کے لیے علم کے ورثے تک رسائی حاصل ہوسکے گی۔

۴- اسلامی ورثۂ علم پر ماہرانہ تجزیہ: اسلامی بصیرت کی مکمل تفہیم کے لیے تاریخی تناظر میں اسلاف کی علمی خدمات کا تجزیہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسلامی ورثے کا تجزیہ یوں ہی نہیں کیا جاسکتا بلکہ پہلے مضامین کی تقدیم وتاخیر کے مدارج قائم کرنا ہوں گے۔ پھر دانش وروں کو دعوت دی جائے گی کہ وہ ان کو اسی ترتیب پر زیرمطالعہ وتجزیہ لائیں اور نمایاں مسائل کو اپنے علم وتحقیق کا خصوصی موضوع بنائیں۔

۵- شعبہ ہائے علوم کے ساتھ اسلام کی متعین مناسبت قائم کرنا: جدید علوم کے مزاج، اس کے اجزائے ترکیبی، اصول، مسائل، مقاصد اور توقعات، کارنامے اور نقائص، غرض تمام چیزوں کا اسلامی ورثے سے تعلق قائم کرنا چاہیے۔

۶- جدید علوم کا تنقیدی محاسبہ: مذکورہ اقدامات کے بعد دانش وروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ متعلقہ علم کو اسلامی نقطۂ نظر سے تنقیدی تجزیے کے پیمانے پر جانچیں اور پرکھیں۔ یہ علوم کی اسلامی تشکیل کے لیے اہم قدم ہے۔

۷- اسلامی ورثے کا تنقیدی تعیین: اسلامی ورثے کا مطلب اوّل: قرآن حکیم اور دوسری چیز سنت رسولؐ اللہ ہے۔ قرآن وسنت کا مصدّقہ معیار شک وشبہے اور تنقید وتجزیے سے بالاتر ہے، مگر اس سلسلے میں مسلمانوں کی فکر اور افہام وتفہیم، تنقید وتبصرے سے بالاتر نہیں ہے۔ لہٰذا، انسانی کاوش کے اس پہلو پر نظرثانی کی جانی چاہیے۔

دوسری اہم بات یہ کہ تمام علوم کے ماہرین کو انسانی افعال کے ہر میدان میں اسلامی ورثے کا تجزیہ کرنا چاہیے اور ماہرین علومِ اسلامی کی مدد لینا چاہیے، تاکہ بہترین تفہیم ممکن ہوسکے۔

۸-امت کے بڑے بڑے مسائل کا جائزہ: دورِحاضر میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اُمت کے مسائل اور ان کی وجوہ پر غور کیا جائے۔ ساتھ ہی دیگر داخلی عوامل اور مسائل کے نتائج پر بھی غور کیا جائے۔ کسی بھی مسلمان دانش ور کو اپنا مطالعہ محض عقلی تجسس کو تسکین پہنچانے کی غرض سے نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اُمت کے وجودی حقائق کو نظرانداز کر کے جو مطالعہ کیا جائے گا، وہ عملی افادیت سے خالی ہوگا۔ ہم اللہ سے علم نافع کی جو دعا مانگتے ہیں، اس کا اظہار ہماری علمی کاوشوں میں بھی ہونا چاہیے۔ سب سے بڑھ کر علوم کے مسائل اور اپنے تعلیمی اداروں پر بھی نظر رکھنی چاہیے، یعنی یہ کہ اسلام سے ان کی دوری اور اسلامی خطوط پر ان کی استواری کی کوشش کس مرحلے میں ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ امت کو درپیش بڑے بڑے سیاسی، سماجی، معاشی، عقلی، ثقافتی، اخلاقی اور روحانی مسائل پر خاطرخواہ توجہ صرف کی جانی چاہیے۔ علاوہ ازیں ہر شعبۂ زندگی سے متعلق امت کے تمام مسائل مسلم دانش وروں کی توجہ کے مستحق ہیں۔ کسی بھی شعبے کو نظرانداز کیا جانا مناسب نہیں۔

۹-انسانیت کے مسائل کا جائزہ: اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں پر نہ صرف اُمت مسلمہ کی فلاح و بہبود بلکہ پوری بنی نوع انسان کی بھلائی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یقیناً پوری کائنات اللہ کی امانت ہے۔ اسلام کے حامل ہونے کے سبب صرف امت مسلمہ کے پاس وہ بصیرت پائی جاتی ہے، جو بنی نوع انسان کی اصل کامیابی و خوش حالی کے لیے ناگزیر ہے۔ لہٰذا، مسلم مفکرین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دنیا کو درپیش مسائل کا مطالعہ و تجزیہ کریں، اسلام کے مطابق ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں اور انسانوں کو شیطانی قوتوں سے راہِ راست کی طرف بلائیں۔ نسل پرستی عالمی پیمانے پر انسانی تعلقات کی دھجیاں بکھیر رہی ہے۔ شراب، آزادنہ جنسی اختلاط، جہالت اور جنگجوئی نے انسانیت کو برباد کر ڈالا ہے۔ ان مسائل کو حل کرنا اور تمام انسانیت کی ایسی خوش حالی کی جانب رہنمائی کرنا، جو عدل و احترام سے بھرپور ہو، اسلامی نظامِ حیات کے علَم برداروں کا فریضہ ہے۔

۱۰-اسلامی ورثہ اور جدید علوم کا امتزاج: اسلامی ورثہ اور جدید علم کے درمیان ایک نوع کا تخلیقی امتزاج پیدا کرنا اور جمود کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اسلامی ورثۂ علم کو وہاں تک پہنچنا

چاہیے جہاں تک جدید علم کی روشنی پہنچ چکی ہے۔اسی کے ساتھ سارے عالم کے مسائل کا یقینی حل تلاش کرنا اور اسلامی توقعات کے پس منظر میں اٹھتے رہنے والے تمام مسائل سے سروکار رکھنا انتہائی اہم ہے۔ ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی توقعات کے مخصوص مضمرات کا اندازہ لگانا ہماری ذمہ داری ہے۔اس کے ساتھ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ نیا امتزاج انسانیت کی توقعات کی بازیافت میں کیوں کر معاون ثابت ہوگا؟

۱۱-اسلامی دائرہ عمل کے مطابق علوم کی تشکیل نو: فکری اختلاف انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور قابل مذمت نہیں بلکہ خوش آیند ہے۔مختلف تجزیوں اور آرا سے امت مسلمہ کے شعور کو قوی بنایا جاسکتا ہے۔ دراصل جب تک اسلام دوبارہ تمام مسلمانوں کے نادر افکار و خیالات کا ماخذ نہ بن جائے، اُمت میں ہمہ جہت فعالیت دوبارہ پیدا نہیں ہوسکتی۔اسی ایک ماخذ سے اللہ تعالیٰ کی سنت کا ادراک ممکن ہے کہ یہ ایسے تخلیقی اور اخلاقی امکانات کا لامحدود مخزن ہے، جس کی بنیاد پر آفاقی اقدار اور ہدایات کو معرض وجود میں لایا جاسکتا ہے اور تاریخی عمل میں شریکِ کار بنایا جاسکتا ہے۔اسلام کے مفہوم میں شامل ہونے والی نئی بصیرت اور اس نئے مفہوم کی عمل پذیری کے لیے تخلیقی امکان کا تقاضا ہے کہ یونی ورسٹیوں اور کالجوں کے لیے نصابی کتب تیار کی جائیں تاکہ اسلامی ذہنوں کی آبیاری کی جاسکے اور ان کو عقلی طور پر قوی تر بنایا جاسکے۔

۱۲-اسلامی تشکیل شدہ علم کی ترویج: علمی کاموں کو اپنی ذاتی لائبریری میں اکٹھا کرنا یا پھر چند دوستوں تک محدود رکھنا نامناسب ہے۔اللہ تعالیٰ کی خاطر جو کچھ کیا جائے اس کو پوری امت تک پہنچایا جائے اور اس کے ذریعے انسانوں کو بیدار اور روشن خیال بنایا جائے۔ اسلامی بصیرت کے پیش کردیے جانے کے بعد اس کو خدائی رضا کا آلۂ کار بن جانا چاہیے۔

اس علمی خاکے کو مسلم یونی ورسٹیوں سے متعلق ہر صاحبِ علم و دانش تک بلاقیمت پہنچانا چاہیے تاکہ وہ دوسرے انسانوں کے دماغوں اور دلوں میں بصیرت اسلام کو راسخ کردے۔اہم بات یہ کہ اس علمی خاکے کے تحت تیار شدہ مواد کو مسلم دنیا کی یونی ورسٹیوں اور کالجوں کو سرکاری طور پر پیش کیا جائے اور یہ درخواست کی جائے کہ وہ اس کو ممکنہ حد تک داخل نصاب کرنے میں تذبذب نہ کریں۔

راجی الفاروقی نے ان اقدامات کے ساتھ کچھ وسائل بیان کیے ہیں، جو اسلامی تشکیل علوم کے لیے لازمی ہیں:

۱- کانفرنسیں اور سیمی نار: متعلقہ علوم کے ماہرین کو اکثر وبیش تر کانفرنسوں اور مباحثوں کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے، تاکہ کسی بھی مضمون سے متعلق مسائل کو زیر بحث لاکر ان کا حل تلاش کیا جاسکے۔ امت کے مسئلے کا حل دراصل یہی ہے کہ اس کو درپیش مشکلات پر بیش تر علوم بیک وقت روشنی ڈال سکیں۔ ایک ہی مضمون میں تخصیص رکھنے والے ماہرین اور علما کے مابین بھی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہنی چاہییں، تاکہ وہ انفرادی کاوشوں میں ایک دوسرے سے تعاون کرسکیں۔

۲- اساتذہ کی تربیت کا اہتمام: ان اقدامات کے مطابق درسی کتب اور ضروری مواد کی تیاری کے بعد ضرورت اس بات کی ہے کہ معلّمین کی تدریسی صلاحیت کی تربیت کی جائے، تاکہ وہ تیار شدہ نصاب کو بخوبی پڑھاسکیں۔ جو علما اس نصاب کی تیاری کی ذمہ داری انجام دیں ان کو تدریسی عملے سے ملاقات کرنے اور گفت وشنید کا موقع دیا جانا چاہیے، تاکہ وہ مضامین اور کتب میں شامل غیرتحریری مضمرات، نظریات اور اُصولوں پر اظہار وتبادلۂ خیال کرسکیں۔ مزید یہ کہ ایسی نشستیں نصاب کے سلسلے میں ممکنہ تدریسی مسائل کو سامنے لانے اور ہدف تک پہنچانے میں نہایت مددگار ثابت ہوں گی۔